انتخابی مہم کا نیا انداز اور پرانے بابے

تحریر: سہیل احمد لون

ستمبر 1991ء میں ترکی کی سیاسی پارٹیاں الیکشن مہم بڑے بھرپور طریقے سے چلا رہیں تھیں۔ میں اپنے چند دوستوں کے ہمراہ "مساجد کے شہر" استنبول میں اتاترک کلچر سینٹر دیکھنے کے بعد "Topkapi" زیر زمین ریلوے اسٹیشن گیا، یہ حصہ یورپ میں شمار کیا جاتا ہے۔ استنبول کا زیر زمین ریلوے نظام لندن کے بعد دنیا میں دوسرا قدیم ترین ریلوے نظام ہے۔ ہم نے خودکار سیڑھیوں کے ذریعے زیر زمین پلیٹ فارم تک رسائی حاصل کی۔ جہاں پر کچھ لوگ اپنی سیاسی جماعت کے اشتہار بانٹ رہے تھے۔ وہ ہر آنے جانے والے کا حال احوال پوچھ کر ان کو اپنی پارٹی کا اشتہار دینے کی کوشش کرتے۔ ہمارے ایک ساتھی نے جھٹ سے اپنا کیمرہ نکالا اور وہ اشتہار بانٹنے والے ان سیاسی ورکروں میں سے ایک کے پاس گیا اس سے ہاتھ ملایا اور ہم کو اس کے ساتھ اپنی تصویر بنوانے کا کہا۔ تصویر بنوانے کے تھوڑی دیر بعد ہی ہماری ٹرین آ گئی اور ہم اس میں سوار ہو کر اتاترک میوزیم دیکھنے Sisli کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹرین میں سوار ہو کر ہم نے مذاقاً اپنے دوست سے پوچھا کہ اس نیم گنجے شخص میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ تم نے اس کے ساتھ تصویر بنانے کا سوچا؟ اس نے جواب دیا کہ تم کو نہیں پتہ یہ کون تھا؟ ہم نے کہا نہیں۔ تو اس نے بتایا یہ ایک سیاسی پارٹی کا لیڈر "سلیمان ڈیمرل" تھا۔ چند دن بعد وہی شخص ترکی کا صدر منتخب ہوا تو مجھے یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی شخص ہے جو چند دن قبل اپنے چند سیاسی ورکروں کے ساتھ بغیر کسی سکیورٹی کے عوام میں اشتہار بانٹ رہا تھا۔ مجھے پاکستان سے باہر پہلی بار کوئی الیکشن مہم دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ جن میں کئی ایسی چیزیں تھیں جو ہمارے ملک میں تو الیکشن کا اہم ترین حصہ سمجھی جاتی ہیں مگر ترکی میں ان کا وجود ہی نہ تھا۔ ہمارے ملک میں دیواریں دیکھ کر کسی بھی سیاسی حلقے کے نمبر اور وہاں پر انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کا پتہ "وال چاکنگ" سے لگ جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں دیواروں کو اشتہارات کے لیے سب سے موزوں ترین جگہ تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں پر مذہبی، سیاسی، کاروباری ہر قسم کے اشتہارات مختلف رنگوں میں نظر آتے ہیں۔ استنبول بھر میں ہمیں کہیں بھی دیوار پر کچھ لکھا نظر نہ آیا۔ پہلے تو ہمیں گمان گزرا کہ شاید ترکی میں پینٹر ہی نہیں ہوتے جو یہاں کی دیواریں الیکشن کے دنوں میں بھی صاف شفاف نظر آ رہی ہیں مگر یہاں بھی دنیا کے باقی مہذب معاشروں کی طرح ملک کو صاف رکھنے کی غرض سے "وال چاکنگ" کی ممانعت کا قانون موجود بھی تھا اور اُس سے بھی حیران کن بات یہ تھی کہ اس پر عمل درآمد بھی کروایا جا رہا تھا اور لوگ خود بھی قانون شکن دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ وہاں جگہ جگہ دیواروں پر اشتہار لگانے کی بجائے یورپ اور برطانیہ کی طرح مخصوص جگہ پر اشتہارات یا بینرز آویزاں کیے گئے تھے۔ سڑکوں پر اکثر مختلف سیاسی پارٹیوں کے کارکن گاڑیوں میں ریلی کی شکل میں مخصوص نعرے لگاتے، میوزک پر رقص کرتے اور جوش و جذبے کا مظاہرہ کرتے گزر جاتے۔ جس ہوٹل میں ہم قیام پزیر تھے اس کے قریب ایک سیاسی جلسہ ہو رہا تھا۔ ہم بھی اس رونق افزاء ماحول کو انجوائے کرنے چلے گئے۔ اس جلسے میں انتخابات میں حصہ لینے والے امیدوار اور انکے سپورٹرز اپنی پارٹی کا منشور اور پالیسی بتاتے کہ کیسے یہ عوام اور ملک کے لیے بہتر ہو سکتی ہے اور کیسے اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ سیاسی

رہنماء مخالفین کی سیاسی پالیسی پر تنقید تو کرتے مگر ذاتیات کے حوالے سے گفتگو کو سیاسی تشہیر میں معیوب اور الزامات کی تیر زنی سے گھائل کرنے کی کوشش نہ کی گئی۔ تقاریر کے دوران موسیقی اور نغمات کا بھی انتظام تھا جو ہمارے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ لوگ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لائے تھے اور ایسے بیٹھ کر جلسہ انجوائے کر رہے تھے جیسے نیوزی لینڈ یا آسٹریلیا کے کرکٹ میچوں کے دوران عوام گھاس پر بیٹھ کر میچ کے ساتھ پکنک انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔ انتخابات کے نتائج آنے کے بعد لوگوں کا اپنے سیاسی قائدین کی تصاویر کے ساتھ گاڑیوں میں ریلیاں نکالیں، شہر کے مخصوص حصوں میں جمع ہو کر رقص و موسیقی کے ساتھ نئی آنے والی حکومت کا خیر مقدم کیا۔ ہارنے والوں نے دھاندلی کا الزام لگانے کی بجائے ان کو جیتنے کی مبارک باد دی۔

پاکستان میں کچھ عرصہ سے سیاسی منظر نامہ انتخابی مہم کی تصویر پیش کر رہا ہے۔ جہاں ہر پارٹی جلسوں، ریلیوں اور دھرنوں میں مصروف نظر آتی ہے۔ جسے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کو الیکشن کی تاریخ کا علم چکا ہے۔ تبھی تو ہر پارٹی اپنا ''جمہوری حق'' بڑے زور شور سے دکھا رہی ہے۔ جلسے تو پہلے بھی پاکستان میں ہوتے رہے ہیں مگر تحریک انصاف کے جلسوں کا "نیا انداز" پاکستانی عوام کے لیے تناؤ کے اس دور میں ایک انٹرٹینمنٹ سے کم نہیں۔ اب تو دنیا میں سیاست ہی نہیں کھیلوں میں بھی اس "نئے انداز" کو متعارف کروایا گیا ہے۔ جون 2006ء میں جرمنی فٹبال کے عالمی کپ کے دوران فرینکفورٹ کے وسط سے گزرنے والے دریا میں یورپ کی سب سے بڑی دوطرفہ سکرین نصب کی گئی۔ دریا کے دونوں کناروں پر لوگوں پکنک منانے کے انداز میں بیٹھ کر میچ دیکھتے، میچ سے قبل اور وقفے کے دوران دریا کے کنارے پر DJ لوگوں کا موسیقی سے دل بہلاتے۔ یہی اسٹائل انڈیا نے آئی پی ایل میں اپنایا۔ تحریک انصاف کے حالیہ جلسوں میں موسیقی، ملی نغموں کے ساتھ تقاریر کا نیا انداز عوام کے لیے اچھوتا مگر پُرکشش ثابت ہوا۔ عمران خان نے روایتی سیاسی جلسوں کے انداز میں ایک نئی چیز تو متعارف کروادی مگر باقی انداز تو وہی روایتی ہی رہا۔ کاش! سیاسی جلسوں میں پارلیمانی لوگ ایک دوسرے کے خلاف غیر پارلیمانی زبان استعمال کر کے الزامات کی توپیں چلانا بھی بند کر دیں۔ ایک دوسرے کی کردار کشی کرنے کی بجائے اگر اپنا منشور عوام کو بتایا جائے، اپنی پالیسوں کی افادیت عوام کو بتائی جائے، عوام کو یہ بتایا جائے کہ کیسے ان پر عمل درآمد ممکن بنایا جائے گا۔ کیونکہ آج تک جو بھی آئے ہیں انتخابات سے پہلے عوام کو وعدوں، تسلیوں اور یقین دہانیوں کے سپنے تو بہت دکھاتے رہے ہیں مگر اقتدار میں آ کر عوام کو سنہری سپنوں کے جال میں تڑپتا چھوڑ کر اس وقت تک غافل ہو جاتے ہیں جب تک نئے الیکشن کی تاریخ کا اعلان متوقع نہ ہو جائے۔ موجودہ سیاسی جلسوں، ریلیوں، ٹی وی ٹاک شوز پر ہمارے "سیاسی اداکار" پنجابی فلموں کے کردار لگتے ہیں۔ جیسے مولا جٹ اور نوری نت ہتھ جوڑی سے قبل بڑے زومعنی مکالموں کا تبادلہ کرتے تھے۔ اس کام میں مکھو جٹی اور دارو نتنی کے کرداروں کی جھلک بھی موجودہ سیاسی ''اداکاروں'' میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے ''سیاسی اداکار'' میں ایک کثیر تعداد جاہل یا جعلی ڈگری والوں کی بھی ہے۔ اصلی ڈگری والوں میں ایسے بھی ہیں جن کی ڈگری تو اصلی ہے مگر دکھائی یہ دیتا ہے کہ ذاتی تعلقات کی بنا پر کہیں سے اعزازی ہی مل گئی ہے۔ جب یہ لوگ ایسا کریں تو ان کو جاہل سمجھ کر رعایت دی جا سکتی ہے مگر جب کوئی آکسفورڈ یونیورسٹی کا پڑھا لکھا بھی جلسوں میں ایسی زبان استعمال کرے .....تو گدھے گھوڑے میں کیا فرق رہ گیا؟؟؟ ہمارے دین میں یہ بات بڑی واضح بیان کی گئی ہے کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کسی کی سنی سنائی بات کو بغیر کسی تحقیق کے آگے سنا دے۔ ہمارے ہاں صرف یقین ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو بنیاد بنا کر الزام تراشیاں بھی کی جاتی ہیں۔ جمہوریت کا راگ الاپنے والے ایک دوسرے پر الزامات لگانا ہی جمہوریت کا خاصا تصور کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں میں کوئی کسی پر بغیر ثبوت کے الزام تراشی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کو کسی پر جھوٹا الزام لگانا بھی ایک جرم ہے مگر ہمارے ہاں یہ جرم "Status symbol" بن چکا ہے۔ جمہوریت کا مطلب تو..... عوام کی حکومت، عوام کے زریعے سے عوام کے لیے ہے۔ مگر ادھر تو حکومت عوام پر حکمرانی کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے جبکہ جمہوریت میں عوام خود حکمرانی کرتے ہیں۔ یہ کیسی جمہوریت ہے کہ عوامی لیڈر درجنوں گاڑیوں کے قافلے کی سیکیورٹی میں سفر کرے جس کی وجہ سے غریب عوام کے بچے کی ولادت قافلے کے گزرنے کے انتظار میں رکشے میں ہی ہو جائے۔ یہ کیسی جمہوریت ہے کہ غریب عوام دو وقت کی روٹی کو ترس جائیں اور ایک مخصوص طبقہ عیاشی کے سمندر میں دن رات غوطے زن رہے۔ نئے انداز سے سیاسی جلسے کرنے والے کنگ خان جو نیا پاکستان بنانے کا نعرہ لگا رہے ہیں کیا واقعی ہی وہ کچھ نیا کر پائیں گے؟؟ کرکٹ کے عالمی کپ جیتنے والی ٹیم کو دیکھا جائے تو اس میں عمران خان کے سب سے مہلک ہتھیار نوجوان تھے۔ سیاست میں بھی نوجوانوں نے عمران خان کا بڑا ساتھ دیا۔ 30 اکتوبر کے جلسے کے بعد سیاسی بابوں کو عمران خان کے کوٹ کی جگہ شیروانی نظر آنا شروع ہو گئی ہے۔ تبھی تو اس کو تانگہ پارٹی کہنے والے بھی اب تانگے کے بانس پر بیٹھنے کو تیا رہیں۔ کیا عمران خان شاطر بابوں کی ٹیم کو اپنے نئے انداز سے فیلڈنگ پر کھڑا کر پائے گا..... یا پھر یہ بابے کپتان کو 12 واں کھلاڑی بنا دیں۔ عمران خان کی سیاست نے تا حال ملکی سیاست کو نہیں سیاسی ٹرمینالوجی تو عطا کر دی ہے۔ اور لوگ سیاست میں کرکٹ کی اصطلاحات کی استعمال سے خوب لطف اندوز بھی ہو رہے ہیں لیکن کپتان کو موسم کی خبریں بھی غور سے سنی چاہیں کیونکہ کرکٹ میں لاتعداد بار جیتے ہوئے میچ واش آؤٹ ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ اور ہمارے عقیدے کے مطابق تو بابوں کی دعاؤں میں بہت اثر ہوتا ہے اور جب بابے گدی نشین بھی ہوں تو پھر اصل نتیجہ تو انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ اردو کے استاد شاعر قمر جلالوی نے کہا تھا

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ ملی میرے آشیانے کو

اللہ عمران خان کو ایسی بہار سے بچا کر رکھے۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com